معاصر معاشرت میں سماجی رواداری کا حصول: سیرت النبی کی روشنی میں ایک مطالعہ

(Achieving Social Tolerance in Contemporary Society: A Study in the Light of Prophetic *Sīrah*)

امجد پرویز*

**ڈاکٹر رانا تنویر قاسم

Abstract

This paper exploring the true picture of Islam and Sīrah of the Prophet (ﷺ) regarding tolerance, broadmindedness, lenience and peace, aims at providing guidance for societal peace and forbearance. It finds that the Prophet maintained such social ties with different sections of the society that those who fought the wars for generations became bound in a relationship of brotherhood and tolerance. With his noble conduct the Prophet ended many wars and reconciled the conflicting parties. Today's Muslims and other nations dreadfully need to learn from the teachings of the Prophet. The elimination of inequality, imbalance, intolerance, violence and prejudice from the society is possible only with the concepts of tolerance, broadmindedness and lenience derived from the Sīrah of the Prophet. This article highlights some points in this regard, but since Islam's concept of social tolerance is a very broad subject having many sub-branches, there is a need for further investigation into various aspects of *Sīrah*.

Key Words: Social tolerance, Sīrah, contemporary society

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ علوم اسلامیہ، یو ای ٹی، لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ علوم اسلامیہ، یو ای ٹی، لاہور

رواداری ایک مرکب لفظ ہے۔ اس کا پہلے حصے "روا" کے معنی ہیں: جائز، مناسب، جاری۔ اور دوسرے حصے "داری" کا مطلب ہے: "ملحوظ رکھنا"۔ دونوں الفاظ کا مرکب معنی ہوگا: پاس، لحاظ، رعایت۔[1] ہماری معاصر سوسائٹی میں یہ لفظ دوسروں کے پاس و لحاظ اور ان کے نظریات و افکار کو برداشت کرنے کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔اس تناظر میں رواداری کا اصطلاحی مفہوم بنتا ہے: دوسروں کے عقائد و نظریات کا پاس و لحاظ اور رعایت۔ عقائد و نظریات کی چونکہ مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، اس لیے رواداری کی بھی مختلف صورتیں ہوں گی۔ بعض اوقات مختلف مذاہب کے لوگوں کے عقائد و نظریات کے پاس و لحاظ کی بات ہوگی اور بعض اوقات ایک ہی مذہب کے مختلف مسالک وفرق کے نظریات و عقائد کے پاس و لحاظ کی۔ اسی طرح کبھی اس پاس و لحاظ کی نوعیت مذہبی ہوگی اور کبھی سماجی۔ اس تناظر میں مذہبی اور سماجی رواداری کو بھی الگ الگ کیا جاسکتا ہے، یعنی مذہبی نظریات کے حوالے سے دوسروں کی رعایت اور سماجی میل جول کے اعتبار سے دوسروں کا پاس و لحاظ۔ سماجی رواداری کی اصطلاح کا تناظر یہ ہے کہ معاشرے میں رہتے ہیں نقطۂ نظر اور مذہب کے اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے باہمی سماجی تعلقات بہتر اور دوستانہ ہوں، تاکہ معاشرے سے نفرتوں کو ختم کرکے امن کا ماحول پیدا کیا جاسکے۔اس مقالے میں یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ معاصر معاشرت میں رواداری کے حصول کے لیے سیرت النبی سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟اس ضمن میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ سماجی رواداری اور معاشرتی تعلقات کی چند اہم جہات کو منتخب کیا گیا ہے، جن سے متعلق سیرت سے رہنمائی لے کر سماجی رواداری کے حصول و فروغ کو ممکن بنایا جاسکتا ہے، ان جہات میں اقلیتوں سے سلوک، دعوت دینااور قبول کرنا، عقیدہ و مذہب کی آزادی، تحفہ و تحائف کا تبادلہ کرنا، دل شکستہ کلمات سے اجتناب کرنا، حفظ وامان دینااور مالی مدد کرنا، شامل ہیں۔

اقلیتوں سے سلوک

مدینے کی مسلم ریاست میں غیر مسلم اقلیتوں سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلقات رواداری پر مبنی تھے۔ آں جناب ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفائے راشدین نے مختلف معاہدات اور رویوں کے ذریعے ایسے درس دیے ہیں، جن سے اقلیتوں کے ساتھ ایک ایسا اسلامی رویہ سامنے آتا ہے، جو مذہب کے اختلاف کے باوجود سوسائٹی کے امن و سکون کی ضمانت ہے۔ نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں سے اسلامی ریاست کا رویہ اور اس ضمن میں ان کو کرائی جانے والی یقین دہانی موجودہ زمانے میں سماجی رواداری کے حوالے سے مشعل راہ ہے۔ اسلامی ریاست کی طرف سے یقین دلایا گیا:

> نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں، یہ سب اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی کوئی پادری اپنی پادریت سے،

---

[1] پروفیسر بشیر احمد صدیقی، جواہر اللغات اردو (لاہور: کتابستان پبلشنگ کمپنی، س ن)، 397۔

> اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے اور نہ ہی کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدہ سے ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے اسی طرح رہے گا۔ ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہو گا۔ ان سے جو شخص سود کھائے گا وہ میری ضمانت سے بری ہے۔ اس معاہدے میں جو لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد النبی کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اس بارے میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل ہو۔ جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط طے کی گئی ہیں ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔[2]

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سمجھوتے اور برداشت کی اس نوع کی حکمت عملی اور رویے کو سامنے رکھا جائے تو ایک ایسے اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آ سکتا ہے، جس کے افراد میں مذہبی اختلاف کے باوجود سماجی رواداری کا رویہ پایا جاتا ہو۔ اس ضمن میں مسلم ریاست کا یہ رویہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ غیر مسلم باشندے مالی منفعت برابری کی سطح پر حاصل کرتے تھے۔ یوسف قرضاوی نے ہیرہ کے باشندوں اور حضرت خالد بن ولید کے مابین ہونے والے معاہدے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ہیرہ کے باشندے عیسائی تھے۔ ان کے ساتھ ہونے والے معاہدے میں یہ بات صاف صاف درج تھی کہ ریاست بیماری، مالی خسارے، غربت و افلاس اور ضعیف عمری کی صورت میں اسلامی حکومت کے زیر سایہ کام کرنے والوں اور رہنے والوں کی ذمہ دار اسلامی حکومت ہو گی۔[3]

ان مثالوں کی روشنی میں اگر آج وہ سماج جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے ساتھ بھی ایسے ہی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے نیز آج کے مسلمان بھی اقلیتوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اپنائیں تو نہ صرف مسلمان معاشروں بلکہ پوری دنیا میں امن کی بحالی ممکن ہو سکے گی۔ آج ریاستیں مادی مقاصد کی خاطر مسلم کشی پر آمادہ ہیں اور پھر امن بھی چاہتی ہیں۔ اس کا حصول کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے! عہد حاضر میں مختلف ممالک میں اقلیتوں پہ ظلم کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔ برما کے مسلمانوں پر ظلم کرنے والی سربراہ مملکت کو امن کے نوبل پرائز سے نوازا گیا۔ کشمیر کے مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑنے والے وزیرِ اعظم کے گلے میں دوسرے سربراہانِ مملکت نے ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے ہار ڈالے۔ نتیجتاً ان معاشروں میں سماجی امن تہہ و بالا ہو کر رہ گیا۔ افغانستان میں امن کے نام پر کیا کچھ نہیں ہوا! کئی دہائیوں سے سلگتا ہوا مسئلہ فلسطین امن و رواداری کے علم برداروں کی راہ تک رہا ہے۔

دعوت دینا اور قبول کرنا

---

[2] اِحمد بن یحییٰ بن جابر بن داود البَلَاذُری، فتوح البلدان (بیروت: دار ومکتبۃ الہلال، 1988ء)، 1: 72۔

[3] یوسف القرضاوی، مشکلات الفقر (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2004ء)، 671۔

معاصر معاشرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ غریب امیر سے نفرت کرتا ہے۔ دعوتِ ولیمہ ہو یا دعوتِ ظہرانہ وعشایہ یا دعوتِ افطار، عموما یہ دیکھا گیا ہے کہ کمزور طبقات کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ غریب کے گھر میں مٹن، بیف تو درکنار مرغی کا گوشت بھی شاذونادر ہی پکتا ہے۔ اس ماحول میں اگر دعوت قبول کرنے اور دعوت دینے کے اسلامی رویے کو اختیار کیا جائے تو سماجی رواداری کو فروغ ملے گا۔ جس سے آپ کے تعلقات کشیدہ رہتے ہوں، اس کے معاملے میں دعوت دینے اور قبول کرنے کی سماجی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ جب آپ کسی کی دعوت قبول کرتے ہیں، اس کے ہاں جاتے ہیں، تو نہ صرف آپ کو ایک فرد بلکہ ایک قبیلے کی سماجی قربت کا موقع ملتا ہے۔ آپس میں انٹرایکشن بڑھتا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ احترام کا جذبہ بڑھتا ہے۔ ابہام ختم ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت کے جذبات کم ہوتے ہیں اور مقاربت کے جذبات بڑھتے ہیں۔ جب انسان دوسروں کے ساتھ بیٹھتا ہے، کھانا کھاتا ہے، دکھ سکھ کا باہمی تبادلہ کرتا ہے، تو دلوں کے اندر موجود جو نفرتیں کم ہوتی ہیں۔ سیرت طیبہ سے ہمیں اس ضمن میں بہت اہم سبق حاصل ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا۔**[4] " جب آپ کو ولیمہ کی دعوت ملے تو فوراً اسے قبول کر لو۔" آپ ﷺ نے نہ صرف دعوت بلکہ دعوت میں میں غریبوں اور محتاجوں کا لحاظ رکھنے کی خصوصی تاکید فرمائی۔ ایک موقع پر فرمایا:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الوَلِيمَةِ، يُدْعَى لَهَا الأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الفُقَرَاءُ، وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔[5]

ولیمہ کا وہ کھانا بدترین کھانا ہے، جس میں صرف مالداروں کو اس کی طرف دعوت دی جائے اور محتاجوں کو نہ کھلایا جائے اور جس نے ولیمہ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

آپ ﷺ خود بھی کھلے دل سے دعوت قبول فرماتے۔ آپ ﷺ کی سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ یہودیوں کی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔[6] دعوت قبول کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ دوسروں کو دعوت طعام پیش بھی کیا کرتے۔ ہجرت حبشہ کے دوران نجاشی نے مسلمانوں کی آؤ بھگت کی، اسی طرح بعد میں مدینہ طیبہ میں حبشہ سے آنے والے وفد کی خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہمان نوازی کی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بذات خود ان کو کھانا پیش کیا اور فرمایا: "یہ وہ لوگ ہیں جن کے مسلمان بھی مقروض ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کی خوب خدمت کی، جب

[4] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح بخاری (دار طوق النجاۃ، 1422ھ)، 7 : 25 ، **كِتَابُ النِّكَاحِ ، بَابُ حَقِّ إِجَابَةِ الوَلِيمَةِ وَالدَّعْوَةِ، وَمَنْ أَوْلَمَ سَبْعَةَ أَيَّامٍ وَنَحْوَهُ**، رقم الحدیث: 5173۔

[5] البخاری، صحیح بخاری، 7 : 25 ، **كِتَابُ النِّكَاحِ ، بَابُ مَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ**، رقم الحدیث: 5177۔

[6] ابوالفداء، اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم (بیروت: دارالاحیاء التراث العربی، 1405ھ)، 5 : 249۔

زبوں حالی کے شکار مسلمان ان کی دھرتی پر ہجرت کرکے گئے تھے۔"[7] دعوت کے حوالے سے سیرت کی ان تعلیمات کو مد نظر رکھا جائے تو معاصر معاشرت میں سماجی رواداری کے مقصد حاصل کرنے میں کامیابی میسر آسکتی ہے۔

عقیدہ ومذہب کی آزادی

جب ایک عیسائی وفد مدینہ کی سرزمین پر آیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی کی، اور پھر ان کو ان کی روایت کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ مسلمانوں نے ان کو ان کی روایت کے مطابق عبادت کرنے سے روکنا چاہا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرما دیا اور عیسائی اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کرنے میں مشغول ہوگئے۔[8] سیرت سے مستفاد اس رویے کے تناظر میں مسلمان نہ صرف غیر مسلموں سے متعلق اپنے رویے کو بہتر بنا سکتے ہیں، جو معاصر معاشرت میں امن کا ضامن ہو، بلکہ مختلف مذہبی مسالک کےے درمیان پائی جانے والی نفرتیں بھی اس کی روشنی میں کم ہو سکتی ہیں۔ معاصر مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ جس نبی نے وہ مسجد جو مسجدِ حرام کے بعد سب سے افضل ہے، وہاں غیر مذہب لوگوں کو عبادت کی اجازت دی، ہمارا رویہ اس سے کس قدر مختلف ہے ! ہم تو دوسرے مسلک کے ہم مذہب لوگوں کی جماعت کرانے پر پابندی لگا دیتے ہیں۔اور اگر وہ عبادت کر چکے ہوں تو مساجد دھونا شروع کر دیتے ہیں۔ عصری تقاضا ہے کہ اسوہ حسنہ اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے رواداری کی روشنی لے کر دلوں کو قریب لایا جائے۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے، تو معاشرتی امن وسکون بحال ہو سکتا ہے۔

تحائف کا تبادلہ

تحفوں کے باہمی تبادلے سے دلوں کی شقاوتیں اور سختیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ دوطرفہ تعلقات بحال ہوتے ہیں اختلافات میں کمی واقع ہوتی ہے۔ نفرتیں کم ہوتی ہیں اور اعتماد میں اضافہ ہوتا ہے۔ سیرت النبی میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم تحائف و ہدایا قبول فرماتے تھے اور بدلے میں تحائف دیتے بھی تھے۔ایلہ کے حاکم (یوحنا بن روبہ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید خچر اور ایک چادر کا تحفہ بھیجا۔آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریری طور پر اسے اس کی حکومت پر برقرار رکھا۔**وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةً بَيْضَاءَ وَكَسَاهُ بُرْدًا وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ**۔[9] اس تناظر میں اج کے مسلم معاشروں کو اپنے رویے پر غور کرنا چاہیے۔آج ہم دہشت گردی کو ہوا دینے والوں کے ساتھ تو تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں، لیکن اپنے ہم مذہب اور مسلم اقوام سے ہمارا رویہ دوستانہ اور اخوت پر مبنی نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر ملکی وانفرادی سطح پر کوئی چیز تحفے میں دی گئی ہوتی ہے تو اسے بھی مشکل وقت

---

[7] ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ (بیروت: دار الفکر، 1998ء) 3 : 105۔

[8] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، 3 : 105۔

[9] البخاری، صحیح بخاری، 2 : 125، کِتَابُ الزَّكَاةِ، بَابُ خَرْصِ الثَّمَرِ، رقم الحدیث: 1481۔

میں واپس مانگ لیا جاتا ہے۔ عصرِ حاضر میں ایسی کئی مثالیں سامنے آئی ہیں کہ عرب ممالک نے عجمی مسلم ممالک کو تحفے میں دی گئی امداد اور تیل کی واپسی کا تقاضا کیا ہے۔ ایسے حالات میں رواداری کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اغیار سے تعاون کم کرکے اپنوں سے تعاون میں اضافہ کیا جائے تاکہ مسلم امت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکے۔

سخت و تلخ کلمات سے اجتناب کرنا

بداخلاقی دلوں میں سختی پیدا کرتی ہے اور سماجی امن کو تباہ و برباد کرنے اک باعث بنتی ہے ؛انسانی روح کو گھائل کرکے اس کے کردار کو متاثر کرتی ہے۔ بسااوقات یہی سختی و تلخی گالی گلوچ اور بعد ازاں گولی میں بدل جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الفاظ کے دانت نہیں ہوتے لیکن ان کے لگے گھاؤ اپنے نشان ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاتے ہیں۔ تلوار کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں لیکن طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت کے زخم درست نہیں ہوتے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ نرم خوئی کی تبلیغ فرمائی۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ مشرکین و کفار کے ظلم کی انتہا پر آپ کے رفقا نے گزارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللہ سے کہیں کہ وہ انہیں سزا دے؛ان کے لئے بد دعا کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً۔[10]

میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اس دور میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار و مشرکین جیسے گروہ سے سابقہ تھا جس نے عداوت و شقاوت کی انتہا کر دی تھی اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عذاب کا کہتے تھے کہ اگر یہ آپ کی طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان نے پتھر برسا۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی سخت کلامی سے در گزر فرماتا تھا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان سے در گزر فرماتے تھے۔ارشاد باری ہے: **وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ**[11] "اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب نہ دے گا اس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے ہوں۔"

آج ہم چھوٹی چھوٹی باتوں پر نسلوں کی دشمنی مول لے لیتے ہیں۔ ہمیں اپنے اندر برداشت کا مادہ پیدا کرنا چاہیے اور باہم نرم جملوں کا تبادلہ کرنا چاہیے۔ اسی سے معاشرتی سکون کا حصول آسان ہوگا۔ حضور ﷺ کی اسی خوبی نے لوگوں کو آپ ﷺ کا گرویدہ اور عاشق بنادیا تھا۔قرآن نے خود واضح کیا کہ اگر آپ ﷺ ترش رو ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے:**فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ**

---

[10] مسلم بن الحجاج إبو الحسن القشیری النیسابوری، المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بیروت :دار إحیاء التراث العربی)، 4 : 2006، رقم الحدیث:2599۔

[11] الانفال،8: 33۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔[12] حضور ﷺ کے اس خوب صورت رویے سے سبق لے کر ہمیں ہم اپنے کردار و رویے کو اس کے مطابق ڈھال لیں تو سماجی رواداری کا مقصد حاصل کرنا آسان ہو سکتا ہے۔

حفظ و امان دینا

کسی کو اپنی حفاظت میں لینا اور اس کی جان، مال، عزت و آبرو کو امان دینے سے سماج میں رواداری پیدا ہوتی ہے۔ عام حالات میں اگر انسان کی دسترس میں ہو تو یہ کام کرنا بقدرِ آسان لگتا ہے لیکن اگر اپنے دشمن، بالخصوص جس سے نظری و فکری اختلاف بھی ہو، اس کے جان، مال، عزت و آبرو کی ضمانت دینا اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اور حالات بھی ایسے ہوں کہ معاملے کا آغاز و اختتام بھی بظاہر انسان کی دسترس سے باہر نظر آتا ہو، نیز یہ خدشہ بھی موجود ہو کہ فریقِ مخالف پلٹ کر حملہ کر سکتا ہے، عین ایسے وقت میں امان دینا، 'عزم الامور' کی قبیل سے ہے۔ لیکن سیرت النبی سے ہمیں اسی رویے کا سبق ملتا ہے۔ ہجرت کی رات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بستر پر سلا کر، جب آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم صدیق اکبر کی رفاقت میں سفر ہجرت پر رواں تھے تو سراقہ بن مالک نے آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا تعاقب کیا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں چلتے چلتے وہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اتنا قریب چلا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تلاوتِ قرآن کی آواز سن رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم میری طرف دیکھے بغیر تلاوت فرما رہے تھے۔ جب میں قریب ہوا تو میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں سنگلاخ زمین میں دھنس گئے اور وہ قلا بازی کھاتے ہوئے گر پڑا۔ میں نے اسے ڈانٹا، وہ بڑی مشکل سے اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو میں پھر سوار ہو کر نکل کھڑا ہوا۔ جب قریب ہوا تو پھر ایسا ہی ہوا، میرے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمیں میں دھنس گئے۔ میرا بار بار ناکام ہونا، گھوڑے کا دھنس جانا اور فال کے تیروں میں قسمت آزمائی سب بتا رہے تھے کہ رسولِ اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات گرامی اور ان کا دین دونوں سچے ہیں۔ لہٰذا میں نے ان سے مدد مانگی اور گزارش کی مجھے امان دے دی جائے اور زندگی بھر کے لیے امن نامہ لکھ کر دیا جائے۔[13] آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی کمال شفقت و عنایت کہ جان کے دشمن، قتل کے درپے اور مسلسل تعاقب کے لیے کوشاں شخص کو معاف کر دیا اور زندگی بھر کے لیے امان نامہ لکھ دیا۔ اگر آج بھی حزبِ مخالف کے ساتھ ہمارا رویہ مصالحانہ اور ہمدردی پر مبنی ہو جائے تو یقینا سماجی رواداری کو جِلا بخشے گا۔ اس سے سماجی امن کی بحالی کے ثمرات حاصل ہوں گے اور سیاسی و سماجی کشاکش میں نمایاں اعتدال آئے گا، جسے خاندان سے لے کر سماج کے بڑے دھاروں تک دیکھا جا سکے گا۔

---

[12] آل عمران 3 : 159۔

[13] البخاری، صحیح البخاری، 5 : 60 ،كِتَابُ المَنَاقِبِ، بَابُ هِجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ إِلَى المَدِينَةِ،، رقم الحدیث: 3906۔

مالی امداد کرنا

سیم و زر انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ انسان مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ انسان کی اس بشری کمزوری کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے: **وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ**[14] عصرِ حاضر میں مادیت پرستی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ دوسروں پر مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا جاتا ہے۔ انسان تعلقات استوار کرنے میں سب سے پہلے اپنے ذاتی مالی مفادات کو ترجیح دیتا ہے۔ ہمارے سماجی رویے معاشی عدم تعاون اور عدم رواداری پر مبنی ہیں۔ ہم مانگنے والوں کو تو پھر کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں، لیکن جو مانگنے کے لیے ہاتھ نہ پھیلائے ہم اسے مالی امداد دینے میں سبکی محسوس کرتے ہیں اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی زچ ہو کر آئے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ مانگنے والا آئندہ ساری زندگی آنکھ اٹھا کر بات نہ کر سکے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں اتنی عقل تو ہونی چاہیے کہ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لو اور مالی امداد کرو کیونکہ ایسے سفید پوش لوگ کسی سے لپٹ کر بھیک نہیں مانگتے۔ ان رویوں سے سماجی دوریاں پروان چڑھتی ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس اسلام اور سیرت نبی اکرم ﷺ سے مستفاد رویے کے نتیجے میں دوسروں کی مالی مدد کا رویہ پیدا ہوتا ہے، جس سے دوریاں ختم ہوتی اور سماجی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں جہاں نماز، روزہ اور حج بدنی عبادتوں کی فرضیت وفضیلت بیان ہوئی ہے، وہاں مالی عبادت یعنی زکوٰۃ و صدقات کی بھی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں نہ صرف خرچ کرے بلکہ اپنی پسندیدہ ترین چیز خرچ کرے۔ یہی نہیں بلکہ جب تک وہ بہترین چیز خرچ نہیں کرتا، نیکی کی معراج کو نہیں پہنچ سکتا۔ **لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ**۔[15] خرچ کرنے کے حوالے سے اسلام نے مختلف لوگوں پر خرچ کرنے کی تعلیم دی ہے، جن میں غریبوں اور محتاجوں کے ساتھ ساتھ قرابت داروں پر خرچ کی خصوصی تاکید آئی ہے۔ ارشاد ہے: **وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ**۔[16] "(نیکی یہ ہے کہ انسان) مال کی محبت کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے اور غلاموں کو آزاد کرے۔" اس تناظر میں اگر غریب لوگوں پر اپنی پسندیدہ چیز یعنی مال خرچ کیا جائے تو سماجی رواداری کے حصول میں بہت مدد حاصل ہو سکتی ہے۔

دوسروں کی مالی معاونت اور مال خرچ کرنے کے حوالے سے حضور ﷺ کی سیرت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ضمن میں آپ ﷺ کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے، اور آپ کی شان اجود الناس بالخیر اور

---

[14] العادیات 100 : 8۔

[15] آل عمران 3 : 192۔

[16] البقرۃ 2 : 177۔

اکرم الناس بالخیر تھی۔ سب سے زیادہ جود و کرم کے ساتھ حاجت مندوں، ضرورت مندوں اور محتاجوں پر خرچ کرتے تھے۔ آپ کے خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کی شان "الریح المرسلہ" تیز ہوا کی طرح تھی، جو کچھ مال غنیمت، تحائف، ہدایا، عطیات، صدقات، خیرات آتے وہ فوراً خرچ کردیتے۔ تیز ہوا کی طرح یہ چیزیں آپ کے پاس رکتی نہ تھی، بلکہ مستحقین تک فوری پہنچ جاتیں۔ جو کچھ دن کو آتا وہ رات آنے سے پہلے پہلے بٹ جاتا تھا۔ یہ شان سخاوت اور یہ خلق جود و کرم رمضان المبارک میں اپنے کمال پر دکھائی دیتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: **كان النبي ﷺ اجود الناس بالخير واجود ماكان في شهر رمضان وكان اذالقيه جبرئيل عليه السلام اجود بالخير من الريح المرسلة۔**[17]. "حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھے اور رمضان المبارک میں بہت سخاوت فرماتے اور جب بھی جبرائیل امین علیہ السلام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے تو آپ تیز ہوا سے زیادہ سخاوت فرماتے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے فاقہ کشوں کا فاقہ ختم کرتے، غریبوں اور محتاجوں کی غربت کا خاتمہ کرتے، ضرورت مندوں کی حاجتوں کو پورا کرتے، تنگ دستوں کی تنگ دستی دور کرتے۔ افراد امت کی بدحالی کو اپنی شان سخاوت کے ساتھ خوشحالی میں بدلتے۔ سخاوت کرتے وقت نہ زیادہ سے زیادہ عطا کرکے نہ اپنے فاقے کا اندیشہ کرتے اور نہ ہی عطا کرنے والے کو اندیشہ فاقہ رہنے دیتے، اتنا عطا کرتے کہ وہ فاقہ کش خود صاحب مال اور صاحب عطا اور صاحب سخا بن جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **ان رجلا سالة فاعطاه غنماً بين جبلين فرجع الى قومه وقال اسلموا فان محدا يعطي عطاء من لا يخشى فاقة۔**[18]. "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے دو پہاڑوں کے درمیان (جتنی بکریاں آتی تھیں) اس کے برابر بکریاں اسے عنایت فرمادیں، جب وہ شخص واپس اپنی قوم میں گیا تو انھیں پکار کر کہنے لگا سارے کے سارے مسلمان ہو جاؤ۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا دیتے ہیں کہ کبھی بھی فاقہ کا خوف نہیں رہتا۔" یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق سخاوت، لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا باعث اور سبب بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان جود و کرم اور خلق سخاوت اتنے کمال پر دکھائی دیتی ہے جو آج بھی سنتا ہے وہ سر دھنتا ہے۔ فرط محبت میں وہ آپ پر جانثار ہوتا ہے اور دل و جان کو آپ کے حضور پیش کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: **حمل اليهي تعون الف درهم فوضعت على حصير ثم قام اليها فقسمها فما رد سائلا حتى فرغ منها وجاء ه رجل فساله فقال ما عندي شئ ولكن ابتع على فاذا جاء نا شئ قفيناه فقال له عمر ماكلفك الله مالا تقدر عليه فكره النبي ﷺ ذلک فقال رجل من الانصار يارسول الله انفق ولا تخش من ذي العرش اقلالا قتبسم رسول الله ﷺ وعرف البشر في وجهه وقال وبهذا**

---

[17] البخاری، صحیح بخاری، 1: 5؛ مسلم، صحیح مسلم، 4: 1802۔

[18] مسلم، صحیح مسلم، 57۔

امرت۔[19] ."آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے، آپ ان کو چٹائی پر رکھ کر کھڑے ہوگئے اور آپ نے ان کو تقسیم کرنا شروع کردیا اور کسی بھی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا، یہاں تک کہ سب کے سب درہم تقسیم کردیے۔ اس کے بعد ایک سائل آیا اور سوال کیا تو آپ نے فرمایا اب میرے پاس کچھ نہیں، لیکن تم میرے نام پر خریدلو جب میرے پاس مال آئے گا تو میں ادا کردوں گا۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چیز کا مکلّف و ذمہ دار نہیں بنایا، جس پر آپ قادر نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سن کر ناپسند کیا، انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوااور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ خرچ کرتے جایے اور عرش کے مالک رب سے کسی کمی کاخوف نہ کیجیے ۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا مسکرائے کہ اس بات کی خوشی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ اقدس پر نمودار ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔" عہدِ حاضر میں سماج میں رواداری پیدا کرنے کے لیے سیرت مصطفیٰ ﷺ سے سبق حاصل کرکے ایسا ہی رویہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ جب اہلِ ثروت محتاجوں اور غریبوں کی یوں دل کھول کر مالی مدد کریں گے ، تو معاشرے سے مختلف طبقات کے خلاف پائی جانے والی نفرتیں ختم ہوں گی، باہمی قربتیں بڑھیں گی اور نتیجتاً سماجی روداری کا ماحول پید ہوگا۔

خلاصۂ بحث

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عظیم انسان اور پیغمبرِ ہونے کی حیثیت سے سماج کے مختلف طبقات سے ایسے سماجی روابط پیدا کیے کہ نسلوں سے چلی آنے والی لڑائیاں لڑنے والے آپس میں اخوت اور برداشت کے رشتے میں بندھ گئے۔ مکی سماج میں آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے جنگِ فجار اور مدنی معاشرے میں جنگِ بعاث ایسی لڑائیاں ختم کراکے فریقین میں باہمی صلح کرائی اور سماجی رواداری کو فروغ دیا۔ آج کے مسلمانوں اور دیگر اقوام کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے سیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ معاشرے میں تفاوت ، عدم اعتدال ، عدم توازن ، عدم برداشت، تشدد اور تعصّبات پر مبنی تصورات کا خاتمہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور سیرت طیبہ میں موجود رواداری کے تصورات سے ہی ممکن ہے ۔ اس مقالے میں موضوع سے متعلق بعض اہم نکات کی نشان دہی کی گئی ہے، لیکن چونکہ اسلام کا تصورِ سماجی رواداری بہت وسیع موضوع ہے ، جس کے بے شمار ذیلی عنوانات ہیں۔ لہٰذاان کا بھی سیرت طیبہ کی روشنی میں اس طرح جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ موجودہ معاشرت میں رواداری کے فروغ میں مددگار بن سکیں۔

---

[19] الترمذی، شمائل ترمذی، 281۔